P. O. RSD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | ۱۵ / جون ۱۹۵۳ء — ایڈیٹر قاضی عبدالغفار — ۲ / شوال المکرم ۱۳۷۲ھ | نمبر ۱۲

بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

"شاید آپ کو یہ معلوم ہو کہ چند دن سے حکومت میسور کنڑی زبان کو جو یہاں کی علاقائی زبان ہے فروغ دینے اور اسی کو ذریعہ تعلیم بنانے کی انتہائی کوشش کر رہی ہے۔ کنڑی زبان اور اس کے کلچر کو روبراہ لانے کے لئے حکومت نے اپنے بجٹ میں لاکھوں روپیہ نکال رکھے ہیں اور اس زبان کے حامیوں میں ایک رضاکارانہ جذبہ کام کر رہا ہے۔ یہ تحریک میسور کے تعلیمی اداروں کے لئے جہاں اردو زبان بھی رائج تھی بہت دور رس نتائج رکھے گی۔

حکومت نے ابھی ابھی ایک تعلیمی اصلاحی رپورٹ تیار کرائی ہے۔ جس پر وہ عنقریب عمل کرنے والی ہے۔ منجملہ دیگر سفارشات کے ایک سفارش یہ بھی ہے کہ ہر بچے کی ابتدائی تعلیم (چھٹے سال سے بارہویں سال تک) اس کی مادری زبان کے ذریعے سے ہو اور چند دن بعد اسے علاقائی زبان بھی سکھائی جائے۔ اس حد تک کسی شکایت کی گنجائش نہیں۔ لیکن رنج ہے تو اس کا کہ کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ بچوں کو ان کے ابتدائی کورس کے پہلے سال سے ہی سنسکرت کے اشلوک اور رامائن اور مہابھارت کے کچھ حصے از بر یاد کرائے جائیں۔ ایک سیکولر حکومت میں اس طرح کسی خاص تمدن اور کلچر کی جبریہ اشاعت یقیناً قابل مذمت ہے..."

یہ بیان میسور کے ایک ممتاز بزرگ کا ہے جو وہاں کی پبلک زندگی میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں۔

جہاں تک مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا سوال ہے یہ ایک صحیح زاویہ نظر ہے اور ہم بلاشبہ حکومت میسور کے اس اصول کی حمایت کریں گے۔ لیکن ہمیں اندیشہ یہ ہے کہ اتر پردیش کی طرح کہیں وہاں بھی اچھے اصولوں کو بُرے ارادوں کا پردہ نہ بنایا جائے۔ اگر مادری زبان میں ابتدائی تعلیم کا اصول اُن لوگوں کے حق میں بھی استعمال کیا جائے جن کی مادری زبان اردو ہے تو پھر بلاشبہ کسی شکایت کی گنجائش نہیں۔ لیکن میسور اور بنگلور میں اردو کے حامیوں کو اب یہ دیکھنا ہے کہ مدارس کی ابتدائی تعلیم میں اُن طلباء کے لئے بھی مادری زبان میں تعلیم دینے کا کوئی انتظام کیا جائے گا یا نہیں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ اس پہلو پر اردو کے حامیوں کو فوراً توجہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ جس طرح اردو والوں نے اتر پردیش میں

دہوکہ کھایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میسور میں بھی دہوکہ کھائیں۔

دوسرا معاملہ یعنی سنسکرت کی جبریہ تعلیم تو ایک بہت بڑا اصولی مسئلہ ہے۔ اس قسم کی تحریک صاف طور پر ہندوستان کے دستور کے بنیادی اصول کے خلاف ہے اگر سیکولرازم کے خلاف ایسی تحریکوں کا مقابلہ کرنے میں ذرا بھی تساہل کیا جائے گا تو ہمارے ملک کو وقار کو بہت بڑا صدمہ پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ حکومتوں کی یہ تنگ نظری کانگریس اور فرقہ پرست جماعتوں کے درمیان فاصلہ کم کرتی ہے اور اگر یہی حال ہے تو ایک وقت وہ آنے والا ہے جب کانگریس اور مہا سبھا میں امتیاز کرنا مشکل ہو جائیگا۔

ہمیں امید ہے کہ حکومت اور وہاں کی رائے عامہ اس قسم کی حاکمانہ لغزشوں کا سدباب کرے گی، اگر ضرورت ہو تو میسور کی اقلیتیوں کو حکومت کی ایسی غلط اندیشیوں کے خلاف ایک دستوری محاذ قائم کرنا چاہئیے۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— حیدرآباد کے رسالہ ہندوستانی ادب نے اپنے ایک مضمون میں کانگریس کے گذشتہ اجلاس میں جو تقریریں ہوئی ہیں ان کے بہت ہی دلچسپ نمونے پیش کئے ہیں اس مضمون کی تمہید حسب ذیل ہے:۔

"پچھلے نمبر میں ہم نے یہ بتایا تھا کہ جنوری ۱۹۵۳ء میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس حیدرآباد میں ہوا تھا جس میں ہم نے خاص طور پر شرکت کی تھی ان اجلاسوں میں شریک ہونے کا ہمارا پہلا اور آخری مقصد بھاشا یا زبان کا مطالعہ تھا۔ اس ہماری مقصد کے پیش نظر ہم نے پورے اجلاسوں میں شرکت کی اور جو چاہتے تھے اس کو پالیا۔ یعنی ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان اجلاسوں میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں سے جو لوگ آئے ہیں وہ کس بھاشا میں تقریر کریں گے ظاہر ہے کہ آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے ہندوستان کے ہر حصے سے لوگ آئے ہوں گے۔ ان میں آسامی بھی تھے اور بنگالی بھی، بہاری بھی تھے اور اڑیسوی بھی۔ یوپی اور ام۔پی کے نمائندے بھی تھے، پنجاب، پیپسو، راجستان سوراشٹر، مدھیہ بھارت، بمبئی، مدراس، میسور، ٹراونکور اور کوچین کے لوگ بھی شریک تھے اگر یہ لوگ اپنی بھانت بھانت کی بولیوں میں بولنا شروع کرتے تو کانگریس کا اجلاس چیستاں بن کر رہ جاتا۔ وہ بولنا شروع کرتے تو کانگریس میں سننے والا کون تھا۔ اور اگر کوئی بولے بھی تو اس کی آواز صدا بصحرا سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی جس کے ثبوت میں ہم نے دیکھا کہ تمل ناڈ کے نمائندے ایک ملے جلے پلیٹ فارم پر ایک ملی جلی بھاشا میں بولنے پر مجبور تھے۔ اسی ملی جلی بھاشا کو انھوں نے ہندی کا نام دیا حالانکہ اس کا صحیح نام "ہندوستانی" ہے۔ ہمارے اس استدلال کو آپ ان تقریروں کی روشنی میں جانچئے جن کے بارے میں ہم مختصر طور پر نیچے لکھیں گے۔"

——— اب ذرا اُس زبان کے نمونے ملاحظہ کیجئے جو کانگریس کے پنڈال میں بولی جا رہی تھی:۔

"سی راجگوپال آچاریہ چیف منسٹر مدراس نے ہندوستان کی خارجی پالیسی پر انگریزی میں تقریر کی اس کی تائید میں سیٹھ گوبند داس نے پہلے لکھی ہوئی قرارداد پڑھی اس کے بعد اپنے وچار بیان کئے لکھی ہوئی قرارداد لمبی چوڑی تھی مگر آپ یقین جانیے کہ اس پوری قرارداد کا ایک شبد بھی ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ اس کا ہر شبد ٹھیٹ سنسکرت کے سانچوں میں ڈھلا ہوا تھا۔ گوبند داس یقیناً دیویلی بھاشا کے ماہر ہیں۔ اور انھوں نے قرارداد بڑے ہی زور شور کے ساتھ پڑھی اس کے بعد سیٹھ جی نے اپنی تقریر شروع کی۔ پہلے تو سنسکرت کے موٹے شبد استعمال کئے مگر جب روانی پر اتر آئے تو اس تصنع یا بناوٹ کو قائم نہ رکھ سکے۔ چنانچہ فصیح "ہندستانی" میں بولے چلے جا رہے تھے۔ یہاں پر چونکہ پوری تقریروں کا دینا ممکن نہیں اس لئے ہم ایسے شبد اور جملے پیش کئے دیتے ہیں جن سے صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ ہندی کا راگ الاپنے والے خود کس دھارے میں بہے جا رہے ہیں۔

ہمارے لئے خطرے سے خالی نہیں۔

ناراض ہو چکے ہیں

اطمینان دلاتا ہوں

آپ حضرات کو یقین دلانا چاہتا ہوں

بخوبی واقف ہوں

بہت زبردست غلطی ہوگی

نہایت اہم کام انجام دیا ہے

وغیرہ وغیرہ

——— اسی قرارداد کی تائید کرتے ہوئے بنگالی نمائندے پربھو دچنداتے فارسی آمیز زبان میں تقریر کی اور جب کسی نے سوال کیا کہ آپ یہ کس زبان میں تقریر کر رہے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ "میں عوام کی زبان میں تقریر کر رہا ہوں۔"

——— بمبئی کے چیف منسٹر مرارجی ڈیسائی نے جو قرارداد پڑھی وہ تو ٹھیٹ سنسکرت میں تھی لیکن جب "تقریر شروع کی تو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ٹھیٹ اور فصیح ہندستانی کے پھول جھڑ رہے ہیں" ——— اس قرارداد کی تائید میں راجستھان کے چیف منسٹر ویاس، مہاراشٹر کے جوشی اور شری کاشی رام سب صاف اور ستھری ہندستانی زبان میں بولے۔

——— منصوبہ بندی کی قرارداد پر مدھیہ بھارت کے نمائندے سری پرکاش نے صاف "ہندستانی" زبان میں تقریر کی چند نمونے ملاحظہ ہوں:-

"ایمانداری سے قبول کرلیں"

"منشا یہی ہے"

"باوجود تمام مشکلات کے میں امید کرتا ہوں"

وغیرہ وغیرہ

——— ناگپور کے نمائندے بیلی وال جی نے جو کچھ فرمایا اس کے چند جملے حاضر ہیں:-

"شاید آپ حضرات نہیں جانتے"

"ہم دیس کے سپوت ہیں اس لئے ٹھیک ٹھیک نمائندگی کرنا ہمارا فرض ہے"

"طاقت کا غلط استعمال نہایت بیجا ہوگا۔"

"خالی خولی اپیل کرنے سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا"

——— اسی سلسلے کی اور سب ایسی ہی کڑیاں تھیں۔ کاشی ناتھ۔ راجستھان، سیٹھ آنیل سنگھ۔ اتر پردیش، چتر گپت شرما اتر پردیش۔ پری پور نانند، اتر پردیش۔ گورکھ سنگھ مسافر پنجاب۔ کالی مکرجی بنگال آر۔ کے سدھوا ممبئی اور ستیا یدھ ویر حیدرآباد نے فصیح اور بلیغ ہندستانی میں تقریریں کیں۔ ان مقرروں نے فارسی اور عربی کے شبد بلا تکلف استعمال کئے کالی مکرجی بنگال اور آر کے سدھوا ممبئی نے تو اپنی فصاحت سے ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔ ان کے علاوہ کرشنا ریڈی نے اس قدر آسان اور سلیس "ہندستانی" میں تقریر کی کہ ہم منہ تکتے ہی رہ گئے۔ ان کے بعد روپ چند ڈنگوریا دلی اور نارائن چودھری بہار کے نمائندوں نے بھی ٹھیٹ "ہندستانی" میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ستیا یدھ ویر اپنی تقریر لکھ لے آئی تھیں اس میں بعض بعض جگہ سنسکرت کے کٹھن شبد استعمال کئے تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر کا کچھ حصہ پڑھا تھا کہ وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے بگڑ کر کہا "یہ بچوں کا مدرسہ نہیں جو لکھی ہوئی چیزیں لاکر پڑھیں۔ جو کچھ کہنا ہو تو تقریر کرو" اس پر دیوی جی نے کاغذوں کا پلندا چھوڑ کر تقریر شروع کی۔ آپ یقین جانئے کہ اس بھلی عورت نے سنسکرت کا ایک بھی لفظ استعمال نہیں کیا اور بڑی ہی روانی کے ساتھ بولی جا رہی تھی پھر دھڑا دھڑ فارسی، عربی کے شبد بلا تکلف ادا ہو رہے تھے۔

——— مہاراشٹر کے ار۔ بی۔ دوبے کی تقریر فارسی، عربی۔ لفظوں سے بھری پڑی تھی۔ چنانچہ مقرر نے ابتدا ہی صدر محترم سے کی پھر "بزرگو۔ دوستو۔ بھائیو۔ پنج سالہ منصوبہ بندی بڑا ہی پیچیدہ سوال ہے۔" اس کا اثر لازمی طور پر یہ ہوگا کہ بھاما ل پھرو سے کیجئے" لہذا آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی گنجائش ہے۔ میں آپ حضرات کی خدمت میں ترمیم پیش کرتا ہوں" یہ سب کچھ بے تکان فرماتے رہے۔

——— مہاراشٹر کے نمائندے آپٹے نے بھی نہایت ہی پاکیزہ ہندستانی میں اس قرارداد کی تائید میں اپنے خیالات ظاہر کئے۔ اور قرارداد جب

ہرشی چندر سیٹھ حیدرآباد میں ہندی کے زبردست حامیوں میں ہیں۔ جب اس قرارداد کی تائید میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو ہم یہ سوچنے لگے کہ کہیں ہماری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں اور ہمارے کان غلط تو نہیں سن رہے ہیں... کیا یہ وہی سیٹھ صاحب ہیں جن کا شمار ہندی کے علمبرداروں میں ہے۔ تقریر فصیح "ہندوستانی" میں تھی اور شروع سے آخر تک فارسی عربی کے الفاظ استعمال ہوتے رہے۔ دیکھئے قول اور فعل میں کتنا زبردست فرق ہوا کرتا ہے۔ یعنی اصولی طور پر راگ الاپا کریں ہندی کا اور جب عمل کا موقع آئے تو ہندوستانی کے گن گائیں۔

—— ماہنامہ "ہندستانی ادب" کو حیرت اس بات پر ہے کہ جتنی قراردادیں پیش ہوئیں وہ تو سب ٹھیٹ سنسکرت میں لکھی ہوئی تھیں، لیکن ان پر جتنی تقریریں ہوئیں وہ فارسی وعربی ملی ہوئی ہندستانی زبان میں تھیں۔

—— یہ دو عملی اگر اس قدر بھونڈی نہ ہوتی تو تمسخر انگیز ہوتی!!

اب آگے چلئے اس روئداد کے بعض اور ٹکڑے بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔ مثلاً:۔

—— خارجی پالیسی کی مزید تائید کے لئے جواہر لال نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت کھڑی ہوئیں۔ انھوں نے ابھی زبان کھولی ہی تھی کہ بعض میسوریوں اور مدراسیوں نے "انگلش، انگلش" چلانا شروع کیا۔ مگر مسز پنڈت نے جواب میں "ہرگز نہیں۔ میں انگریزی میں کبھی نہیں بولوں گی۔ میں ابھی ابھی باہر سے آئی ہوں میں اپنی بہنوں اور بھائیوں کی زبان میں بولوں گی۔"

چنانچہ مسز پنڈت نے دھڑلے کے ساتھ اپنی بہنوں اور بھائیوں کی بھاشا "ہندستانی" ہی میں تقریر کی۔ انھوں نے تقریر جس زبان میں کی وہ نہایت پاکیزہ اور فصیح "ہندستانی" تھی۔ اس کھلے ثبوت کے بعد بھی "ہندوستانی" کو زبردستی ہندی کا نام دینا پاپ نہیں بلکہ مہاپاپ ہے۔

—— کھلے اجلاس میں پلاننگ کمیشن کی تائید میں ایم پاٹل نے انگریزی میں تقریر شروع ہی کی تھی کہ صدر کانگرس نہرو نے ٹوکا اور انھیں ہدایت کی کہ "جب آپ ہندستانی میں بول سکتے ہیں تو پھر یہ انگریزی کیوں؟" چنانچہ پاٹل نے "ہندستانی" میں اپنی تقریر شروع کی۔ تقریر سن کر ہم حیران رہ گئے کہ اس قدر فصیح "ہندستانی" بولنے والا شخص کدھر بھٹکا چلا جا رہا تھا۔ آپ یقین جانئے کہ پاٹل نے نہایت ہی لطیف اور پیاری "ہندستانی" میں تقریر کی۔

—— اب کچھ اترپردیش کا حال بھی سنئے۔ "ہندستانی ادب" کہتا ہے کہ:۔

"اس سے پہلے ہمیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا تھا کہ تلنگے، مرہٹے، کنڑے، گجراتی، بنگالی، مدراسی وغیرہ وغیرہ تو چھپے رستم ہی نکلے کہ جن سے ہمیں "ہندستانی" میں تقریر کرنے کی کم آشا تھی۔ اب اس نوبت پر ہماری حیرت اور استعجاب نے ایک دوسرا ہی رنگ اختیار کیا۔ یوپی کے مشہور زمانہ چیف منسٹر گووند بلبھ پنت سے کون واقف نہیں۔ یہ خود یوپی ہی میں پیدا ہوئے، دنیا جانتی ہے کہ یوپی "ہندوستانی" زبان کا مرکز اور مخزن ہے۔ وہاں کا ہر شخص چاہے کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ فصیح سے فصیح تر "ہندستانی" بولتا ہے۔ چنانچہ یوپی کے ہندو بھی "ہندستانی" بلا تکلف بولتے ہیں۔ پنت جی کے گھرانے سے جو لوگ واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان کے گھر کا ہر فرد فصیح "ہندستانی" بولتا ہے اور یہ خود تو "ہندستانی" کے ماہر ہی ہیں۔ مگر آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات والی قرارداد کو پیش کرتے ہوئے پنت جی نے جو تقریر کی تو ہم اپنے آپ کو چندر گپت موریا کے دربار میں بیٹھا محسوس کر رہے تھے۔ جہاں گیانی اور پنڈت دربار کو سنسکرت میں بھاشن دے رہے ہوں۔ وزیر پنت بہت ضعیف ہوگئے ہیں ان کے ہاتھ پیر اور جسم میں رعشہ پیدا ہوگیا ہے وہ زیادہ دیر تک کھڑے نہیں رہ سکے۔ اس لئے صدر نے انھیں تخت پر بیٹھ کر تقریر کرنے کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے بیٹھے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ تقریر کی۔ چونکہ یہ ایک آرام کی شکل تھی۔ پنت نے تقریر بھی لمبی چوڑی کی اور جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا زبان سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی اس وضع پر آخر وقت تک قائم رہے۔

——— اس قرارداد کی تائید مرکزی وزیر جگ جیون رام، اچھوتوں کے نمائندے نے کی۔ پوری تقریر شروع سے آخر تک صاف سادہ، سلیس اور پاکیزہ "ہندستانی" میں تھی۔ زبان کا رنگ اس وقت نکھرتا نظر آیا جب انھوں نے ڈوگرہ راج اور ڈوگروں کی بدتمیزیوں، بدعنوانیوں، ناانصافیوں اور ہٹ دھرمیوں کا کھلے بندوں جائزہ لیا۔ ان کی تقریر کے اس حصے کے چند جملے ملاحظہ ہوں ——— فرمایا وزیر نے "ڈوگرا راج کوئی قصے کہانیوں کی پرانی داستان نہیں بلکہ کل ہی کی بات ہے۔ ڈوگرا راج کے مظالم بھلائے نہیں جا سکتے۔ ڈوگروں نے غریب کشمیری مسلمانوں پر کیا کیا ظلم نہیں توڑے۔ ان کو اچھوت اور بیگار سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ ان غریبوں کو ننگا بھوکا دیکھ کر ان ظالموں کو خوشی ہوتی تھی۔ آج جبکہ عبداللہ سرکار نے ان ظالموں سے زمین چھین کر ان کنگالوں اور مفلسوں میں بانٹ دی ہے تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اپنی زمینیں واپس لینے کے لئے بے چین ہیں۔ میں آپ سے صاف کہے دیتا ہوں کہ یہ جا پرشد موومنٹ کوئی مذہبی چیز نہیں بلکہ یہ سب انھیں ظالم ڈوگروں کی شرارت اور سازشوں کا نتیجہ ہے جو اپنی کھوئی ہوئی جائداد اور رعایات واپس لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

——— معاصر موصوف ان الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے۔

ایک ہی قرارداد کے سلسلے میں اور ایک ہی پلیٹ فارم پر ایک طرف مشہور رہنما گوبند ولبھ پنت کی زبان پر غور کیجئے اور دوسری طرف بے چارے جگ جیون رام کی زبان کو دیکھئے۔

"بہ بیں تفاوت راہ کجاست تا بکجا" جگ جیون رام کے بعد اسی قرارداد کی تائید میں اور بھی لوگوں نے تقریریں کیں، جن میں چندن نارائن مہاراشٹر، پرتھوی سنگھ دلی، سری رام شنکر مہاراشٹر، دھیبو بھائی ڈیسائی گجرات، مانک لال راجستھان اور کرپا رام یو۔پی نے ٹھیٹ اور فصیح "ہندستانی" میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

——— زبان کے مسئلہ کی حد تک یہ ایک مختصر نمونہ کانگریس کی تقریروں کا ہے جس کے بعض ——— "بیش تیوں" بلکہ اکثر ——— نیتا ایک چھریلی ہندی زبان کے نام پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن خود کانگریس کے پلیٹ فارم پر جب انھیں تقریر کرنی پڑتی ہے تو مصنوعی ہندی ان کا ساتھ نہیں دیتی اور انھیں عوام کی زبان ہی میں عوام کو مخاطب کرنا پڑتا ہے۔ "یک بام و دو ہوا" اسی کو کہتے ہیں!!

——— ہندی کے ایک مقامی اخبار نے اپنے نامہ نگار کے حوالے سے کچھ اس طرح ایک خبر چھاپی ہے کہ علی گڑھ کے مجوزہ مسلم کنونشن سے مجوزہ اردو کانفرنس کا ڈانڈا ملا دیا ——— اور ہمیں گمان ہے کہ ایسا کرنے میں ہمارے معاصر کو بہت مسرت حاصل ہوئی ہوگی!! کسی طرح تو اردو کے مسئلہ کو سیاسی تحریکوں میں لپیٹ لیا جائے!

——— نامہ نگار صاحب نے یہ خواب دیکھا کہ اس سلسلے میں کوئی خفیہ جلسہ بھی کہیں ہوا جس کے چند شرکا کے نام بھی انھوں نے ... سن پائے۔ ان بیچارے کو یہ خبر نہیں کہ اردو کانفرنس کی مجلس عاملہ کے بہت سے جلسے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اگر نامہ نگار صاحب اور اڈیٹر صاحب ان "خفیہ" جلسوں میں آنا چاہیں تو ان کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجا جا سکتا ہے!!

——— اس خبر کے آخری فقرات سب سے زیادہ دلچسپ ہیں جن میں حکام ضلع کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس خفیہ سازش کا پتہ چلائیں ——— ایسا تو ضرور ہونا چاہئے، لیکن ساتھ ہی ذرا ان "خفیہ" نامہ نگار صاحب کے گرد و پیش کو بھی اگر حکام ضلع دیکھ بھال لیں تو مناسب ہوگا۔

——— خبر کی تردید ضروری نہیں! ——— اسکو صرف آلۂ تفریح بنایا جا سکتا ہے۔

انجمن کی خبریں

کوٹہ (راجستھان)

[illegible] مئی کو کوٹہ میں انجمن کی شاخ قائم کر دی گئی۔ شاخ کے صدر حاجی پیر اوصاف علی صاحب ایڈوکیٹ اور نائب صدر بابو دلیپ سنگھ صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ اور سیکریٹری محمد حسین صاحب بی۔ اے (علیگ) ایڈوکیٹ منتخب ہوئے۔ انجمن کی شاخ کوٹہ کے جلسہ عام میں ۱۱؍ مئی ۱۹۵۳ء کو سکریٹری نے جو رپورٹ پیش کی اس کے ضروری اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

ہندوستان میں اردو زبان کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ نہ اس امر کے باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اردو کا ملک کے باشندوں کے ساتھ کیسا دلی لگاؤ ہے۔ اردو ہندوستان میں مختلف اقوام کے میل جول سے قدرتی طور پر پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے اسے ملک کے گوشے گوشے میں بولا، پڑھا، لکھا، اور سمجھا جاتا ہے۔ اردو کسی خاص فرقے طبقے یا گروہ کی زبان نہیں ہے اور نہ کسی بیرونی ملک سے اس کا تعلق ہے بلکہ مختلف زبانوں کے نہایت سلیس سادہ اور عام فہم الفاظ کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ہندوستان کی کل زبانوں میں نہایت عام فہم شیریں اور سادہ زبان ہے افسوس کہ اردو زبان اس قدر اوصاف کی حامل ہوتے ہوئے بھی ملک کا تنگ نظر طبقہ اس کی وابستگی کسی ایک خاص طبقے سے بتلا کر اسے ختم کرنے کی کوشش میں ہے۔ لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اردو زبان کا تعلق ملک کے ایک ایک فرد سے ملے گا۔ اس میں ہمارے ملک کی روایات پوشیدہ ملیں گی۔ اسلاف کے کارنامے روشن ستاروں کی طرح چمکتے نظر آئیں گے۔ بیشک ہمارے بزرگوں نے بڑی جانفشانی سے اس زبان کی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ وہ شجر شیریں ثمر ہے جس کی آبیاری ہر فرقے اور ہر طبقے نے کی ہے۔ کاش ملک کے مخالف عناصر بزرگوں کے ان جذبات اور روایات کو سمجھنے کی کوشش کرتے جس کی وجہ سے اردو زبان نے قبولیت عام کا خطاب حاصل کر کے اپنے شیریں اور عام فہم ہونے کا سارے ملک میں درجہ حاصل کر لیا ہے۔ تو آج جن مشکلات کا سامنا اردو زبان کو کرنا پڑ رہا ہے یہ ناسازگار لمحے دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ مقبول عام زبان روز بروز مخالفت کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اور بزرگوں کے مایۂ ناز سرمائے کو بری طرح نیست و نابود کیا جا رہا ہے۔

آزادی کے بعد دستور ہند کی رو سے اردو زبان کو بھی ہندوستان کی چودہ زبانوں میں سے ایک زبان تسلیم کیا ہے۔ اور دستور ہند میں زبان کی حفاظت کا پورا پورا یقین دلایا گیا ہے۔ مگر یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہے کہ اردو کے ساتھ ملک کے اندر نہایت ناروا سلوک کیا جا رہا ہے جس سے اردو داں طبقے کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچی ہے۔

ملک کے اندر صوبائی حکومتوں نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اردو زبان کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اردو زبان کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کر رہے ہیں۔ ملک کے اندر زبان اردو کے ساتھ یہ ظلم دیکھ کر ہمدردان اردو۔۔ اپنے ملک ہندوستان کی نہایت مقبول زبان کو وطن کے فائدے کے لئے قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کی خدمات از حد قابل تعریف ہیں جس کا نصب العین اردو زبان کی حفاظت کر کے دنیا کی دیگر زبانوں کے دوش بدوش کھڑا رکھنا ہے۔

چونکہ اردو زبان سے ہر ہندوستانی فرد کو دلی لگاؤ ہے لہٰذا ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ اپنی پیاری زبان کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ محض اس خیال کے تحت ہمدردان اردو نے انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اردو زبان کی حفاظت و ترقی کے لئے کوٹہ میں بھی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کی شاخ قائم کی ہے اور یہ ۱۰، ۱۱؍ مئی ۱۹۵۳ء کے جلسے اسی شاخ کے تحت منعقد کئے گئے ہیں۔

زبان کسی جماعت یا فرقے کی وراثت نہیں ہوتی وہ ملک کے ہر فرقے کی امداد سے پلتی اور ترقی پاتی ہے جب کہ ہمارے پاس ہماری زبان اردو موجود ہے تو ہم کسی انجمن میں پہنچیں

یہ مناسب نہیں۔ ہاں ہم یہ مانتے ہیں کہ ہمیں اس میں تھوڑی سی اصلاح اور کرنا ہے ہمیں چاہئیے کہ عام بول چال کی اردو سے سخت الفاظ عربی فارسی زبانوں کے جو عام فہم نہ ہوں نکال دیں۔ اور ایک ایسی زبان تیار ہو جسے ملک کے باشندے بغیر [illegible] تعلیم کے بہت جلد سمجھ لیں۔ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس زبان سے ہمیں عام فہم الفاظ ملیں۔ انھیں لینے سے گریز نہ کرنا چاہئیے۔ جیسے ہندوستان میں شہروں اور دیہاتوں تک انگریزی کے کچھ الفاظ عام فہم ہو گئے ہیں۔ جنھیں قریب قریب ہر باشندہ بولتا ہے اور جن کے لئے دوسرا آسان لفظ نہیں ملتا ایسے الفاظ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اس طرح سے ہندوستان میں مختلف فرقوں کی امداد سے بنی ہوئی زبان ہی ہندوستان کی زبان ہو سکتی ہے۔ اور ہمارا نصب العین انگریزی کے نکالنے کا جلد پورا ہو سکتا ہے۔ اردو ہی ایسی زبان ہے جو عام فہم ہونے کا دعوی کر سکتی ہے۔ اور اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ قبول کر کے اپنے رنگ میں رنگنے کی صلاحیت موجود ہے۔

راجستھان کے بعض حکام کی نگاہ اردو کی بابت سخت ہے۔ راجستھان کے محکمہ تعلیم کے (Syllabus) میں اردو کو پہلی کلاس سے نہ رکھ کر چھٹی کلاس سے اختیاری مضمون کی حیثیت سے رکھا ہے اور ہندی کے ساتھ سنسکرت زبان کو شروع سے چھٹی کلاس سے راجستھان کے باشندوں پر ۔ ۔ ۔ زبردستی تھوپا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے طلبا دوسرے ضروری مضامین نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ کوٹہ میں تو اردو پڑھنے والے چھٹی اور آٹھویں کلاس کے طلبا سے ایک ذمہ دار ہیڈ ماسٹر صاحب نے ۱۹۵۳ء میں داخلے کے وقت یہاں تک کہدیا تھا کہ اب اردو ختم کر دی گئی ہے۔ پھر بڑی کوششوں کے بعد ان طلبا کو داخلہ دیا گیا۔ یہ رویہ قانون اور اخلاق کے خلاف تھا۔ ہم راجستھان گورنمنٹ سے یہ مانگ کرتے ہیں کہ اردو پہلی کلاس سے (Syllabus) میں رکھی جائے۔ سنسکرت زبان جبریہ نہ رکھی جائے اور تعلیمی محکمے کے افسران اردو کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کریں۔

انجمن ترقی اردو شاخ کوٹہ کوشش کرے گی کہ وہ اردو کے تحفظ اور اردو کی ترویج میں پورا پورا حصہ لے۔ ہم پبلک سے بالعموم اور اردو سے دلچسپی رکھنے والے احباب سے بالخصوص امید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دست و بازو بن کر انجمن کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں ہر ممکن امداد دیں گے خدا ہمارے ارادوں میں کامیابی بخشے۔ آمین۔

اس جلسہ کا مقصد یہ تھا کہ جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات میں زیادہ طلبا کو شریک ہونے کی ترغیب دی جائے۔ اس لئے ان جلسوں میں پاس شدہ طلبا کو جامعہ سے آئی ہوئی اسناد ادیب و ادیب ماہر تقسیم کی گئیں۔ ساتھ ہی جامعہ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے موجودہ دور میں ہندستان کے اندر جامعہ اردو علی گڑھ کی اہمیت و افادیت کو عوام کے ذہن نشین کرایا گیا۔ نیز صوبہ راجستھان کے محکمہ تعلیم نے اردو زبان کو ختم کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ اس کو واضح کیا گیا۔

۱۰ مئی کو زیر صدارت جناب للتا پرشاد صاحب شاد میرٹھی محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ جس میں بیرونی و مقامی شعرا نے کافی تعداد میں شرکت فرمائی۔ جناب شاد نے اپنے خطبۂ صدارت میں اردو زبان کی ہندوستان میں اہمیت بتلاتے ہوئے فرمایا کہ جب تک موجودہ اردو داں طبقہ رضا کارانہ حیثیت سے اردو زبان و ادب کی خدمات انجام نہ دے گا۔ اردو زبان ترقی نہ کر سکے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اردو سے ثقیل الفاظ کو خارج کر کے ہر زبان کے عام فہم الفاظ کو زیادہ سے زیادہ اردو زبان میں سمویا جائے تو یہ زبان ہندوستان میں کافی مقبول ہو سکے گی اور ہندوستان کے عوام اس طرف کافی توجہ دے سکیں گے۔

۱۱ مئی کے جلسے کی صدارت جناب بابو دلیپ سنگھ صاحب ایم۔ ایل۔ اے (کوٹہ) راجستھان نے فرمائی۔ اچھوت ممبر جناب کنور لال صاحب جیلیا ایم۔ ایل۔ اے (کوٹہ) راجستھان و دیگر ہندو مسلم عمائدین شہر نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔ جناب شاد نے اردو زبان پر نہایت بصیرت افروز تقریر کی۔ اس کے بعد سیکریٹری صاحب انجمن ترقی اردو کوٹہ نے انجمن کی رپورٹ پڑھ کر سنائی بعد ازاں محکمہ تعلیم راجستھان نے اردو زبان کو ختم کرنے کے لئے جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے اس پر حکومت

راجستھان کی توجہ مبذول کرائی۔

صاحب صدر بابو دلیپ سنگھ صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے جامعہ اردو کے پاس شدہ طلبا کو اپنے دست مبارک سے اسناد تقسیم فرمائیں۔ جناب صدر نے خطبۂ صدارت میں اردو داں عوام کو پورا پورا یقین دلایا کہ حکومت راجستھان سے ان کے مطالبات منوانے میں وہ حتی الوسع کوشش کریں گے

جناب کنور لال صاحب جیلیا ایم۔ ایل۔ اے نے محکمہ تعلیم راجستھان کے اس رویہ کی مذمت کی اور سنسکرت زبان کے لازمی مضمون کر دینے پر تعجب اور افسوس ظاہر کرتے ہوئے عوام کو یقین دلایا کہ ان کے مطالبات کے لئے متعلقہ افسران سے پوری جدوجہد کریں گے۔ بعد ازاں جناب محمد حسین صاحب ایڈوکیٹ کوٹہ سکریٹری انجمن ترقی اردو کوٹہ نے صوبہ راجستھان کی کل جمیعۃ علماء اور انجمن ترقی اردو ہند کی شاخوں پر زور اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے حلقوں سے اردو زبان کی اجرا کے لئے حکومت راجستھان کی توجہ دلائیں۔

انجمن ترقی اردو کی شاخ نے حسب ذیل قرار دادیں حکام متعلقہ کو بھیجی ہیں۔

(۱) یہ جلسہ حکومت راجستھان سے مطالبہ کرتا ہے کہ محکمہ تعلیم راجستھان نے سنسکرت زبان کو ۱۹۵۳ء سے لازمی مضمون قرار دے دیا ہے۔ وہ قابل اعتراض اور نامناسب ہے۔ لہذا اس کو اختیاری مضمون کی فہرست میں رکھا جائے۔

تجویز کنندہ — تائید کنندہ

محمد حسین بی۔ اے۔ ایل ایل بی — حافظ عبد الحکیم صاحب

(۲) یہ جلسہ حکومت راجستھان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اردو داں طبقہ کے بچوں کو انکی مادری زبان اردو کی تعلیم حاصل کرنے میں ہر وقت مدد دی جائے اور ساتھ ہی جماعت اول [illegible] اردو ذریعہ [illegible] تعلیم حاصل کرنے دستور ہند کے مطابق دیا جائے۔

تجویز کنندہ:۔ عبد اللطیف صاحب

تائید کنندہ:۔ احمد بخش صاحب۔ بشیر محمد توفیق صاحب۔ لال محمد صاحب جوہر۔ احمد مبین صاحب راغب

(۳) [illegible] یہ جلسہ راجستھان سے مطالبہ کرتا ہے۔

کہ راجستھان کے دیگر Post graduate college کے مانند ہربرٹ کالج کوٹہ میں بھی اردو فیکلٹی قائم کی جائے اور جولائی ۱۹۵۳ء سے شروع ہونے والے سیشن میں انٹر میں سال اول سے ہی اردو کی تعلیم کا انتظام کرے۔

(ب) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ اس رزولیوشن کے ساتھ ایک درخواست معہ پبلک کے دستخطوں کے جناب راج پرمکھ صاحب راجستھان کی خدمت میں جا کر پیش کی جائے اور استدعا کی جائے کہ اس سال سے ہربرٹ کالج کوٹہ میں اردو فیکلٹی کے اجرا کا حکم فرمایا جاوے۔

تجویز کنندہ:۔ احمد بخش صاحب۔ ایم اے۔ ایل۔ ایل بی

تائید کنندہ:۔ جناب کشن گوپال صاحب بی اے۔ ایل ایل بی فائنل

مزید تائید کنندہ:۔ محمود صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔

سکندر آباد ضلع بلندشہر

۲۴ مئی کو ایک جلسہ عام زیر صدارت حکیم قاضی مسعود عالم صاحب خطیب جامع مسجد منعقد ہوا جس میں اتر پردیش کی حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ گذشتہ ماہ یہ ایک اہم قرار داد اس کی خدمت میں بھیجی گئی تھی۔ اس پر ابھی تک توجہ نہیں کی گئی اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ جلد از جلد اس قرار داد پر عمل درآمد کر کے حکومت اپنے جمہوری ہونے کا ثبوت دے۔

وہ قرار داد حسب ذیل تھی:۔

جن طلبا کی مادری زبان اردو ہے ان کی تہذیبی کی قابلیت ان مدارس اسلامیہ سے درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد حسب قاعدہ گورنمنٹ صرف درجہ ۸ تک ہوتی ہے لیکن آگے چل کر جونیر ہائی اسکولوں اور ہائر سکنڈری اسکولوں میں ان طلبا کو جملہ نصاب ہندی زبان میں پڑھنا پڑتا ہے کیونکہ عام طور پر اب ان اسکولوں میں اردو زبان میں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں رہا ہے اور اردو میں چھپی ہوئی کتابیں بھی اب دستیاب نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے ان طلبا کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اکثر طلبا ایسی تعلیم کو بار عظیم سمجھ کر گھبرا کر چھوڑ دیتے ہیں اور تعلیم سے قطعی محروم رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ جناب پنڈت گوبند بلبھ پنت جی وزیر اعظم یو۔ پی نے اپنے حکم نمبر ۴۹-۷۵۱۱/۲

۲۲/۱۹۲۷ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو واضح طور پر تحریر کردیا ہے کہ جہاں کہیں بھی مطالبہ ہو ہندی کی جگہ اردو بطور زبان پڑھائی جائے۔ اور دیگر مضامین بھی اردو کے ذریعہ پڑھائے جائیں۔ ایسی صورت میں مسلمانان سکندرآباد کا یہ عام جلسہ گورنمنٹ اترپردیش سے درخواست کرتا ہے کہ درجہ ششم سے آگے کے کل درجات میں ان طلبا کے لئے جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے علاوہ ہندی کے دیگر مضامین کی تعلیم کا انتظام طلبا کی مادری زبان یعنی اردو میں مناسب طور پر کیا جائے اور مقررہ کورس کی کتابیں بھی اردو میں شائع کرائی جائیں تاکہ مسلمان بچوں کی حق تلفی نہ ہو اور وہ تعلیم سے محروم نہ رہ جائیں۔

حیدرآباد

حیدرآباد اسٹیٹ بار ایسوسی ایشن کا ایک وفد بار کے صدر مسٹر گوپالاراؤ ایکبوٹے ایم۔ایل۔اے کی سرکردگی میں ریاست کے وزیر داخلہ مسٹر ڈی۔جی۔بندو سے ملا۔

وفد نے وزیر داخلہ پر زور دیا کہ ہائی کورٹ، ڈسٹرکٹ کورٹ اور سشن کورٹ میں انگریزی ہی کو ذریعہ اظہار خیال باقی رکھا جائے لیکن دو سال کے عرصہ کے لئے اردو کا استعمال بھی باقی رکھا جائے۔

وفد کے ممبروں نے کہا کہ منصفی اور سب جج کی عدالتوں میں جہاں تک ممکن ہو علاقائی زبان میں مسلیں اور کاغذات مرتب کئے جایا کریں۔

ان لوگوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ گواہیاں بھی علاقائی زبان میں ریکارڈ کی جائیں۔

وفد نے کہا کہ دستور ہند کی دفعہ ۳۴۸ میں ریاستی حکومتوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ نہ قانون کے ذریعہ عدالتوں میں سرکاری کارروائیوں کے لئے کسی ایک یا کئی علاقائی زبانوں کو قومی زبان کے ساتھ برقرار رکھ سکتی ہیں۔

وفد نے کہا کہ ریاستی حکومت نے ابھی تک اس قسم کے کسی قانون پر عمل نہیں کیا ہے مگر ہماری حکومت کو دستور ہند کی اس دفعہ کی روشنی میں فوری اقدام کرنا چاہئے۔

وفد کے ممبروں نے وزیر داخلہ سے کہا کہ دستور کی دفعہ ۳۴۸ میں ہائی کورٹوں کی زبان انگریزی قرار دی گئی ہے لیکن دفعہ ۳۴۸ (ب) میں صدر کو مزید احکامات کے شائع کئے جانے تک اردو استعمال کئے جانے کی اجازت دینے کا مجاز بنایا گیا ہے۔

ممبران وفد نے کہا کہ فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے لئے ماتحت عدالتوں میں دستور کی روشنی میں علاقائی زبان ہی استعمال کی جائے۔

ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس کا جائزہ

(انس۔ ظ۔ انصاری)

(بسلسلہ گذشتہ)

تقریباً ۱۴ ڈیلی گیٹوں نے اپنے خیالات ظاہر کئے اور بہت کھل کر ظاہر کئے۔ کہا جاتا تھا کہ یہ ترقی پسند مصنفین کی پہلی کانفرنس ہے جہاں انجمن کے ذمہ دار لوگوں پر آنچ نہ دے ہوئی اور عام ادیبوں نے اپنے خیالات ظاہر کرنے میں اتنی جرات اور بے لاگ تنقید سے کام لیا ہے۔ جو ایک خوشگوار علامت تھی۔ تنقید کا زیادہ تر نشانہ رام بلاس شرما تھے۔ اور بعض مقرروں نے اسٹیج سے یہاں تک اشارہ کیا کہ ان کی اور ان کے دوستوں کی بدولت آج کانفرنس میں ہندی کے زیادہ تر ادیب نہیں آئے ہیں جنہیں یہاں ہونا چاہئے تھا۔

سردار جعفری

ڈاکٹر رام بلاس شرما اس دوران میں اسٹیج پر چپ چاپ بیٹھے تھے اور مشتعل ہونے کے بجائے مسکرا رہے تھے۔ بالآخر علی سردار جعفری کی باری آئی۔ انھوں نے معترضوں کے کئی نکتوں سے اتفاق کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ آج جتنی تقریریں ہوئی ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تعمیری دوسرے تخریبی۔ تعمیری تقریروں میں انھوں نے ڈاکٹر محمد حسن کا نام بھی لیا اور کہا کہ جب ہم انجمن کے پچھلے کام پر تنقید کریں تو ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہم خود بھی ترقی پسند ہیں اگر پچھلے ۱۸ برسوں میں غلطیاں ہوئی ہیں تو یہ خطا کسی فرد واحد کی نہیں ہے۔ اس کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری آپ پر بھی آتی ہے۔ انھوں نے ظ۔ انصاری کا حوالہ دیا اور اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ تحریک کو واقعی ہماری تنظیم سمیٹ نہیں سکی ہے۔ پانچ اجلاس پہلے ہوئے ہیں لیکن ایک اجلاس میں جو انتظامیہ کمیٹی بنی وہ کئی کئی برس اپنا جلسہ نہ کر سکی اس بار بھی یہ ہوا اور اسی کی وجہ سے ہم مختلف زبانوں کے کام کی رپورٹ نہیں منگوا سکے ہیں اور نہ زیادہ ادیبوں کو یہاں

شریک کرپائے ہیں کہ وہ اپنے یہاں کے کام کی اور اپنے مسائل کی تفصیل آپ کے سامنے رکھیں۔

کچھ لوگ کیمونسٹ پارٹی اور کیمونسٹوں کو الزام دیتے ہیں، سردار جعفری نے کہا کہ اس بنیاد پر تفریق کرنا بے جا ہوگا۔ کیمونسٹ اور غیر کیمونسٹ کی تفریق آپ ادیبوں کی انجمن میں نہیں کر سکتے۔

ادب کو سیاست سے الگ رکھنے کے سوال پر آپ نے کہا کہ یہ بحث اٹھانا بے معنی ہے۔ جب ہندوستان میں برطانوی راج تھا، اس وقت پنڈت جواہر لال نہرو بھی بھوک اور غربت و افلاس کے مسائل کو ادب میں شامل کرتے تھے۔ آج یہی مسائل ہیں جو سیاست کا بنیادی پتھر بھی ہیں اور سماجی بھی ہیں اور ادبی بھی ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ فلاں بات ادبی ہے اور فلاں محض سیاسی یا سماجی ہے، ادبی نہیں ہے۔ سردار جعفری نے اپنی تقریر میں انقلابِ روس سے بہت پہلے کے روسی نقاد بلانسکی کی تحریر کا حوالہ دیا اور کہا کہ آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے ادب کے موضوعات میں سیاسی اور سماجی مسائل شامل رہے ہیں۔

علی سردار جعفری نے کئی معترضوں کے جوابات دئے، خاص طور سے ان لوگوں کو جو لیڈر شپ پر سخت تنقید کر رہے تھے۔ ان کے جواب دینے کا انداز ایسا تھا کہ وہ اپنی ہی نہیں بلکہ پوری لیڈر شپ کی ترجمانی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کے بعد ڈاکٹر رام بلاس شرما اور دوسرے ذمہ دار لوگوں نے اپنے بچاؤ کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔

ان کے بعد کنڑی زبان کے ایک ادیب کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنے یہاں کا کچھ حال سنایا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں اتنی کشاکش نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہماری زبان میں ترقی پسند ادب کا چرچا ہی کم ہے اور تنظیم برائے نام ہے۔

اس کے بعد اجلاس برخاست ہوگیا اور ہر شخص کو محسوس ہوا کہ آج کی بحث سے عام ادبی حلقوں کی اندرونی فضا کا پورا پورا مظاہرہ تو ہوگیا اور آج کی یہ بحث اور بحث کے پیچھے جو کشمکش کی پوری داستان ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ترقی پسند ادیب اپنے ادب اور ادبی مسائل اور ادبی تنظیم کے متعلق کافی سنجیدہ ہوگئے ہیں اور صرف ہوں ہاں کر کے ٹال دینے پر رضامند نہیں ہیں۔

. . . . - - - - - -

آخری اجلاس

۸ مارچ کو صبح دس بجے آخری اجلاس ہونے والا تھا لیکن مئے دوشینہ کا نشہ ایسا نہیں تھا جو آفتاب ڈھلنے سے پہلے ڈھل جاتا۔ کانفرنس کا وقت گزر گیا اور پنڈال کا وہ حال تھا کہ:

یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

جو لوگ جمائیاں لیتے ہوئے آئے بھی خصوصاً سرور صاحب انھوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ اجلاس دوپہر تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ البتہ اجلاس کے التوا سے پہلے قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ جو وہاں موجود تھے۔ مگر جب وہ اردو زبان کے باقی رکھے جانے کی اہمیت پر زور دے چکے تو مجلس صدارت کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ قاضی صاحب نے محض ذاتی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

یہ اجلاس پھر بھی وقت پر شروع نہ ہو سکا کیونکہ کانفرنس کے دوران میں مشاعرہ ہو جانے سے کانفرنس کی چہل پہل بڑھنے کے بجائے سرد پڑتی جا رہی تھی۔ سہ پہر کو آخری نشست ہوئی، اسی نشست میں سب سے اہم سوال آنے والے تھے اور اسی میں سب سے زیادہ گمبھیر افسردگی پائی جاتی تھی۔

پہلے مینی فیسٹو کا خاکہ آیا جسے فوری طور پر چنی ہوئی ایک کمیٹی نے جلدی جلدی تیار کیا تھا۔ اسے پڑھ کر سنا دیا گیا اور کھلے اجلاس کو دعوت دی گئی کہ وہ اس پر اپنی رائے کا اظہار کرے اور جو ترمیمیں پیش کرنا چاہے کرے۔

اس پر ۷ ترمیمیں پیش ہوئیں جن میں ۳ محض لفظی تقدیم و تاخیر سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک ترمیم میں آخری سے پہلے پیراگراف کو اس طرح تبدیل کرنے کو کہا گیا تھا کہ "ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی موجودہ زبانوں میں سے ہر ایک کو اس کے پورے حقوق دیئے جائیں۔ ان زبانوں کو اور ان کے ادب کو پھلنے پھولنے کی تمام سہولتیں ملیں"۔ ایک ترمیم بنگالی ڈیلی گیٹ کی طرف سے آئی جس میں امن کے سوال پر اور زیادہ زور دیا گیا تھا۔

ترمیمیں اور بھی تھیں کیونکہ حاضرین کا مطالبہ تھا کہ مینی فسٹو

اگرچہ ترقی پسند ادب کے دائرے کو وسیع کرتا ہے اور ایک وسیع اتحاد کے امکان پیدا کرتا ہے۔ لیکن وہ بہت واضح نہیں ہے ترقی پسندی کا مفہوم اور زیادہ واضح طور پر پیش کرنا چاہیے اور حدبندی اور زیادہ مکمل کرنی چاہیے۔

ابھی کانفرنس کے سامنے پروگرام لمبا تھا۔ اور وقت کم اس لیے ترمیموں کا سلسلہ مختصر کرکے صرف چار ترمیموں کو رکھا گیا کہ ان پر کھلے اجلاس میں رائے شماری اور بحث کے بجائے مناسب ہوگا کہ خود انتظامیہ کمیٹی ان پر غور کرے اور قابل قبول ترمیموں کو مان کر مینی فیسٹو (اعلان نامہ) شائع کر دے۔ مگر دوسرے روز جب وہ اعلان نامہ شائع ہوا تو اس میں کاما اور فل اسٹاپ کی بھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی......

جب ہر ایک کو یقین ہو گیا کہ کانفرنس سے سوائے اس مینی فسٹو کے جو پاس ہو چکا ہے ہم کچھ لے کر جانے والے نہیں ہیں تو وہ چناؤ، مرکزی زبان کمیشن کے چناؤ اور دوسرے سوالوں کو تشنہ چھوڑ کر اٹھنے لگے اور اس طرح جو سوال اٹھایا گیا اسے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ انتظامیہ کونسل اس کا فیصلہ کرے گی۔ اس کے بعد کرسی صدارت سے تجاویز پیش کی گئیں جو باتفاق پاس ہو گئیں۔ کانفرنس کا آخری اجلاس بڑی بے کیفی اور تھکان کے ساتھ ختم ہو رہا تھا اگر مجروح سلطانپوری کی غزل اور ان کا ترنم شیش جی کی کوتیا اور اس کی گونج گرج آخری تواضع کے ساتھ انھیں رخصت نہ کرتی۔

راجستھان میں اردو کی مشکلات

انجمن ترقی اردو کی شاخ کوٹہ نے تین قراردادوں کے ذریعے راجستھان میں حکومت کے طرز عمل پر توجہ دلائی ہے پہلی قرارداد میں بتایا گیا ہے کہ محکمہ تعلیم نے سنسکرت کو لازمی مضمون قرار دیا ہے۔ شاخ کوٹہ نے اپنی یادداشت میں اس حقیقت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے کہ:-

"محکمہ تعلیم راجستھان نے ۱۹۵۳ء میں حکم نمبر ایس جی، ۴۷، ۱۵، ۳۷۔ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۵۳ء کے ذریعہ چھٹی جماعت سے سنسکرت زبان کو لازمی مضمون قرار دے دیا ہے۔ جبکہ یہ زبان ۱۹۵۳ء تک اختیاری مضمون کی حیثیت رکھتی تھی۔ سنسکرت زبان کے لازمی مضمون ہو جانے کی وجہ سے طلبا پر بہت زیادہ دباؤ پڑ گیا ہے۔ دستور ہند کی رو سے صرف ملکی زبان کے ساتھ ساتھ کسی دوسری زبان کو لازمی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ دستور کے مطابق جب ہندی ملک کی زبان قرار دے دی گئی تو سنسکرت زبان کا لازمی قرار دیا جانا غیر ضروری ہے۔ سنسکرت کے لازمی قرار دے دیے جانے کی وجہ سے طلبا پر بہت زیادہ بوجھ پڑ گیا ہے۔ اس سے ان کی تندرستی کے خراب ہونے کا امکان ہے۔ ساتھ ہی محکمہ تعلیم کے (Syllabus) برائے جماعت اول تا ہشتم کی رو سے بھی راجستھان کے ان باشندوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے۔ اپنی مادری زبان کی تعلیم سے جماعت اول سے ہی محروم کر دیا گیا ہے۔ دستور ہند کے مطابق ہندوستان کے باشندوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا پورا پورا حق دیا گیا ہے۔"

دوسرا مسئلہ اردو زبان کی تعلیم کا ہے جس کے متعلق شاخ کوٹہ نے حالات کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے کہ:

محکمہ تعلیم راجستھان کے منظور شدہ سلیبس Syllabus برائے جماعت چھٹی۔ ساتویں۔ آٹھویں میں اردو زبان کو بھی اختیاری مضامین رکھا ہے۔ مگر جب چھٹی جماعت میں طلبا اردو کے لئے مطالبہ کرتے ہیں۔ تو کہیں ہیڈ ماسٹر صاحب ڈرا دھمکا کر طلبا کو خاموش کر دیتے ہیں۔ کہیں پبلک کی جانب سے درخواست پیش ہونے پر یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ اب اردو کی تعلیم حکومت راجستھان نے بند کر دی ہے۔ اور کہیں مدرس کی کمی بتلا کر طلبا کو اردو کی تعلیم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ انجمن ترقی اردو کوٹہ کی جانب سے گذشتہ سال تاریخ ۔ ۸ر اگست ۱۹۵۳ء کو مہارانی گرلس مڈل اسکول کوٹہ میں چھٹی جماعت کی طالبات کے لئے اردو کلاس کھولے جانے کی بابت انسپکٹرس کوٹہ کو ایک درخواست معرفت ہیڈ ماسٹرنی جی دی گئی تھی تو انسپکٹرس کوٹہ نے ان کاغذات کا جواب باوجود کافی تقاضوں اور زبانی ملاقات کے یہ دیا تھا کہ انسپکٹرس گرلس اسکول راجستھان جے پور سے اس کے بابت بات چیت کی جائے۔ جبکہ سلیبس کی رو

سے کسی حکم کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ محکمہ تعلیم کے ذمہ دار افسران کا یہ عمل افسوسناک ہے۔"

تیسری قرارداد کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ:۔

"راجستھان میں جے پور، جودھپور، بیکانیر، اودے پور اور کوٹہ میں اے (A) کلاس یعنی POSTGRAGUATE COLLEGES ہیں۔ سوائے ہربرٹ کالج کوٹہ کے بقایا چاروں مقامات کے کالجوں میں شعبہ اردو (URDU FACULTY) قائم ہے۔ ہربرٹ کالج کوٹہ میں شعبہ اردو نہ ہونے کی وجہ سے طلبا انٹرمیڈیٹ سے ہی اردو تعلیم سے محروم ہو جاتے ہیں ساتھ ہی انھیں دیگر مضامین لینے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

جو طرز عمل راجستھان میں اردو زبان کے متعلق اختیار کیا جا رہا ہے وہ ہمارے لئے تعجب انگیز تو نہیں ہے لیکن یہ صورت حال ایسی ضرور ہے کہ راجستھان میں اردو زبان کے دوستوں کو اب اردو کے حفاظت کا ایک محاذ بنا لینا چاہیے اور یہ ارادہ کر لینا چاہیے کہ اگر حکومت کا طرز عمل یہی رہے گا تو وہ حکومت سے اپنی توقعات منقطع کر کے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ جہاں احتجاجی قراردادوں کی قیمت بہت گر چکی ہے اور حکومتوں کی پالیسی کو محض قراردادیں بدل نہیں سکتیں جب تک کہ ہم یہ ثابت نہ کر دیں کہ اردو زبان کی حفاظت کا جذبہ ہمارے دلوں میں قوت حاصل کر رہا ہے۔ راجستھان میں اس وقت ۱۰ لاکھ سے زیادہ انسان ایسے بستے ہیں جن کی زبان اردو ہے۔ یہ ۵ فیصدی سے زیادہ آبادی اپنا ایک مستقل مقام رکھتی ہے۔ اس کو موثر ہونے کے لئے صرف تنظیم کی ضرورت ہے۔

تیسری اردو کانفرنس کے بعد سے راجستھان میں اردو کی حفاظت کی تحریک شروع ہو چکی ہے اور اب اس کی ضرورت ہے کہ ہر مقام کے اردو والے اپنے کو اجتماعی طور پر منظم کریں اور اس حقیقت کو حکومتوں پر بھی واضح کر دیں کہ وہ ناانصافیوں کا مقابلہ کریں گے۔ (ہماری زبان)

دستخطی مہم کی شاخوں سے اپیل

لکھنؤ ۲۸ مئی۔ اردو علاقائی زبان کمیٹی کی آنریری سکریٹری سلطانہ بیگم صاحبہ نے یوپی کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے دستخطی مہم کے آٹھ سو مرکزوں سے اپیل کی ہے کہ اب وہ اپنے اپنے علاقوں میں دستخط حاصل کرنے کا کام بند کر دیں اور بکھرے ہوئے فارم سمیٹ کر دفتر نظر باغ لکھنؤ کو بھیج دیں۔

دفتر علاقائی زبان کمیٹی نے اپنے کچھ باعمل کارکنوں کو چار چار فارم بھیجے تھے اور درخواست کی تھی کہ وہ ان فارموں کو اور پر کرا دیں۔ سب کارکنوں سے درخواست ہے کہ وہ ان چار فارموں پر بھی جلد از جلد دستخط حاصل کر کے بھیج دیں بہت سے کارکنوں نے یہ چار فارم پر کرنے کے بعد بھیج دیئے ہیں مگر ابھی بہت سے کارکن باقی ہیں۔ جناب معشوق علی صاحب زین خانہ آگرہ پہلے کارکن ہیں جنھوں نے ایک دن میں فارم پر کرائے اور ہمیں بھیج دیے۔ چار چار فارموں کے سلسلے میں سب سے پہلے موصوف کے فارم دفتر میں وصول ہوئے۔

انجمن کی تازہ مطبوعات

(۱) ترقی پسند ادب (از سردار جعفری) اپنے موضوع پر یگانہ کتاب ہے جس نے ترقی پسند ادب کے متعلق ایک نئی روشنی ہمیں دی ہے۔ طباعت اور تیاری کے اعتبار سے اس کی وضع ایسی ہے جس پر کوئی بھی ناشر فخر کر سکتا ہے۔ صرف ایک ہزار نسخے چھاپے گئے ہیں اور مانگ بہت ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ بہت جلد وہ بازار میں نایاب ہو جائے گی۔

قیمت ۶ روپیہ ۸ آنے

پرنٹر:۔ نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڈھ

پبلشر:۔ قاضی عبد الغفار، انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ